4

رمضان المبارک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عید ہے

(فرمودہ ۲۳-جنوری ۱۹۳۱ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا

اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان کے ماتحت پھر ہم میں سے بہتوں کو اس مبارک مہینہ میں سے گذرنے کا موقع ملا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب نازل ہوئی اور جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب نازل ہوئی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لئے سب دن برابر ہیں لیکن وہ اپنی وفا کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔ انسان باتوں کو بھلا دیتا ہے لیکن خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے کاموں کو بھلانا نہیں چاہتا۔ اس لئے جب کبھی بھی وہ دن آتا ہے جس میں کسی بندہ نے کوئی خاص کام کیا ہو اس دن اللہ تعالیٰ کے خاص فضل نازل ہوتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کے تمام کام موسموں سے مشابہت رکھتے ہیں اور روحانی کام جسمانی کاموں سے مماثلت رکھتے ہیں۔ یعنی جس طرح جسمانی کاموں کے موسم ہوتے ہیں اسی طرح روحانی کاموں کے بھی موسم ہوتے ہیں۔ جس طرح ایک درخت وقت پر پھل دیتا ہے اسی طرح جب کسی انسان کو نیکی کی توفیق ملتی ہے اور وہ کوئی خاص قربانی دین کے لئے بنی نوع انسان کے فائدے کے لئے یا خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے تو جب وہی دن پھر آتا ہے اللہ تعالیٰ اس قربانی کی یاد کے طور پر اس دن پھر اپنے فضل نازل کرتا ہے۔ گویا وہ ایک درخت بن جاتا ہے جو اپنے موسم میں پھل دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے نیک اعمال کو شجرہ طیبہ[1] قرار دیا ہے۔ یعنی وہ ہر سال پھل دیتے ہیں جس دن کوئی شخص نیک عمل کرتا ہے۔ اگلے سال پھر اسی دن اس نیک عمل کو پھل لگتا ہے۔ اور اگر انسان کوشش کر کے سال کے ۳۶۰ دنوں میں ہی ایسے شجر لگالے تو تمام عمر

کے لئے آسانی اور سہولت کا رستہ اس کے لئے کھل جاتا ہے۔ جب وقت آئے گا خود بخود اسے نیکی کی طرف رغبت ہوگی۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ایک افیونی کا جب افیون کھانے کا وقت آئے تو اسے بے چینی شروع ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے اگر سچی تڑپ پیدا کرلی جائے تو عین وقت پر انسان کے اندر خود بخود رغبت اور تحریک نہ ہو۔ پس جو شخص کسی وقت کوئی نیکی کرتا ہے وہی وقت جب دوبارہ آتا ہے تو پھر اس کے اندر نیکی کی تحریک پیدا ہوتی ہے اس کے مقابلہ میں اسی وقت اللہ تعالیٰ کے فضل کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے پیچھے رہنا پسند نہیں کرتا۔ اس کا نام غیور ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ وہ بندہ کے فعل سے بڑھ کر اپنی صفات اس کے لئے ظاہر کرتا ہے اس لئے جب بندہ دوبارہ نیکی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی دوبارہ اس پر فضل نازل کرتا ہے اور پہلے سے زیادہ کرتا ہے اور اس طرح وہ درخت ہمیشہ کے لئے پھل دیتا رہتا ہے۔ لیکن تمام کام ایک قسم کے نہیں ہوتے بعض اہم ہوتے ہیں اور بعض چھوٹے جس طرح بعض درخت ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں خوردبین سے دیکھا جاسکتا ہے اور بعض اتنے بڑے کہ اگر انسان ان کی چوٹی کو دیکھنے کی کوشش کرے تو سر سے پگڑی یا ٹوپی گر جائے گی۔ اسی طرح بعض روحانی اعمال بھی خوردبینی ہوتے ہیں۔ اور جس طرح خوردبین سے نظر آنے والے درخت کا پھل بھی اسی نسبت سے ہوتا ہے۔ خوردبینی اعمال کے مقابلہ میں فضل بھی اسی حیثیت کا ہوتا ہے اس لئے بہت سے لوگ اس حقیقت سے غافل ہوتے ہیں۔ چونکہ ان کی نیکی معمولی ہوتی ہے اور دوبارہ جب وہی وقت آتا ہے تو پھر وہ نیکی کرتے ہیں اور اس کے مقابلے میں فضل بھی نازل ہوتا ہے۔ لیکن جس طرح کئی قسم کی نباتات' دیواروں' کپڑوں بلکہ بعض دفعہ ہمارے جسموں پر بھی اگتی ہیں مگر ہمیں اس کا احساس نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ اس کے پھل بھی ایسے ہی ہونگے۔ اسی طرح چونکہ بعض لوگوں کے روحانی اعمال خوردبینی ہوتے ہیں اس لئے ان کے پھل بھی ایسے ہی ہوتے ہیں جو بادی النظر میں محسوس نہیں ہوسکتے لیکن جو اعمال بڑے ہوتے ہیں ان کا فضل ایک بڑے درخت کے پھل کی طرح صاف نظر آجاتا ہے جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو بڑھاپے میں جبکہ انہیں کوئی امید نہ تھی اولاد کا ملنا اور معمولی اولاد نہیں بلکہ ایسی اولاد جس کی پیدائش سے پہلے پیشگوئی کی گئی تھی۔ یعنی الہامی اولاد پھر معمولی اولاد نہیں بلکہ جس کے متعلق وعدہ تھا کہ وہ نبی جو دنیا کے لئے مستقل فیضان کا موجب ہوگا اس کی نسل سے ہوگا۔ ایسی اولاد کا بڑھاپے میں ملنا پھر آپ کا رؤیا میں دیکھنا کہ اپنے بچہ کو ذبح کر رہا ہوں اور اسے ذبح کرنے کے لئے

تیار ہو جانا۔ گویا خدا تعالیٰ کے ان تمام وعدوں پر اپنے ہاتھ سے چُھری پھیر دینا تھا۔ وہ کامیابیاں جو حضرت اسماعیلؑ سے متعلق تھیں جب ہمیں یاد ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ضرور یاد ہوں گی۔ مگر ان سب کی حضرت ابراہیمؑ نے کوئی پرواہ نہ کی۔ بیٹے کی قربانی کوئی بڑی چیز نہیں۔ اگر حضرت ابراہیمؑ صرف بیٹے کی قربانی کرتے تو ان کے مقام اور مرتبہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اسے اتنی اہمیت دینے کے لئے تیار نہ تھے مگر جو چیز حیرت میں ڈالنے والی ہے وہ حضرت اسماعیل کی قربانی ہے۔ ہر بیٹا اسماعیل نہیں ہو سکتا۔ ایسا بیٹا اربوں بلکہ سینکڑوں اربوں میں سے کوئی ایک ہی ہو سکتا ہے۔ وہ وہ بیٹا تھا جس نے ہمیشہ کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عزت کو قائم کرنا اور جس کی نسل سے اس عظیم الشان نبی نے پیدا ہونا تھا جس کا فیضان قیامت تک جاری رہنے والا تھا۔ گویا اس بیٹے کی زندگی قیامت تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے نیکی قائم رکھنے والی تھی۔ آپ نے ایک رؤیا دیکھا اور اسے ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ گویا خدا تعالیٰ کے ایک حکم پر سب کچھ قربان کر دیا۔ جب ایک عمل کے نتیجہ میں جنت حاصل ہو سکتی ہے تو اس کے ثواب کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے جسے اربوں جنتیوں کا ثواب ملنا تھا۔ مگر وہ اس بیٹے کو قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ گویا خدا کے لئے اربوں جنتوں کو قربان کرنے کے لئے رضامند ہو گئے۔ پس جب انہوں نے ایسی عظیم الشان قربانی کی تو خدا تعالیٰ نے کہا ہم بھی اس دن کو ہمیشہ یاد رکھیں گے اور در حقیقت عید الاضحیٰ کے دن ہم اس قربانی کی یاد کو تازہ کرتے ہیں اور اس دن کو عید بنا کر خدا تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ یہ خاص فضلوں کا دن ہے۔ اس دن ہمارا فضل خاص جوش میں ہوتا ہے کیونکہ اس دن ابراہیم نے ہماری رضا کے لئے اسماعیل کے گلے پر چھری پھیرنی چاہی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ کے حضور بڑی خدمات کو بڑے دنوں کے طور پر یاد رکھا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے دو عیدیں مقرر کی ہیں اور اسلام کی ہر بات تمام زاویوں کے لحاظ سے مکمل ہوتی ہے۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں قربانیاں دو قسم کی ہوتی ہیں یعنی انفرادی اور قومی قربانیاں۔ ان دونوں کی یاد میں خدا تعالیٰ نے دو عیدیں رکھیں۔ عید الاضحیٰ انفرادی قربانی کی یاد ہے اور عید الفطر قومی قربانی کی۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے مل کر ایک بڑا کام کیا ہے اور ایک قوم کی قوم نے خدا تعالیٰ کے لئے اپنے آپ کو فاقوں میں ڈال دیا پس عید الاضحیٰ فردی قربانی کی عید ہے اور عید الفطر قومی قربانی کی۔ ایک یہ بتاتی ہے کہ اگر ساری قوم مل کر کوئی بڑا کام کرے تو خدا تعالیٰ اسے نہیں بھلاتا اور دوسری یہ سکھاتی ہے کہ خدا تعالیٰ انفرادی قربانی کو بھی نہیں بھلاتا۔ رمضان اپنے اندر بڑی برکتیں رکھتا ہے

اور یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کی عید ہے۔ کیا لطیف فرق ہے محمد رسول اللہ ﷺ اور دوسرے انبیاء کی قربانی میں۔ حضرت ابراہیمؑ کی قربانی بڑی تھی لیکن اس کے بدلہ میں کیا ملا۔ اس کی یاد اس طرح قائم کی گئی کہ کھاؤ اور پیو لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی قربانی کے بدلے میں امت محمدیہ کے لئے بھی ایک قربانی رکھی گئی۔ اور وہ یہ کہ روزے رکھو اور فاقے کرو۔ گویا محمد رسول اللہ ﷺ کی عید قربانی میں ہی تھی۔ باقی انبیاء اپنی قربانیوں کے نتیجہ میں کھاتے پیتے تھے مگر محمد رسول اللہ ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔ حتیٰ کہ اپنی اولاد کے لئے بھی صدقہ حرام فرما دیا۔[۲] پس رمضان آپؐ کی قربانی کی عید ہے جس طرح عید الاضحیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی اور عید الفطر مسلمانوں کی قربانی کی عید ہے اور سب سے بڑی عید رمضان کی عید ہے۔ اگرچہ دوسری دونوں عیدیں بھی بڑی ہیں مگر ان سب سے بڑھ کر رمضان ہے۔ جب محمد رسول اللہ ﷺ کی قربانی کی یاد کے لئے انسان کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ قرآن کریم کے نزول سے بڑھ کر اور کوئی عید نہیں ہو سکتی۔ ہر چیز کی خوشی اس کے فوائد کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر ایک چیز کے ہزار فائدے ہوں اور دوسری کے لاکھ تو لاکھ فوائد والی چیز ملنے پر پہلی سے بہت زیادہ خوشی ہوگی۔ چونکہ سب سے بڑھ کر نعمت قرآن کریم ہے اس لئے جس وقت اس کا نزول ہوا وہ نہایت ہی قیمتی اور بابرکت ہے۔ عید الفطر کا تو یہ مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے تم نے ہمارے رسول کی خوشی میں خوشی منائی آؤ اب ہم تمہاری خوشی میں خوشی مناتے ہیں لیکن اصل عید رمضان ہی ہے۔ خوشی میں لوگ کیا کیا کرتے ہیں یہی کہ ایک دوسرے کو عطیے دیتے اور آپس میں احسان کرتے ہیں اور حدیثوں میں آتا ہے رسول کریم ﷺ رمضان میں تمام وقتوں سے زیادہ صدقہ دیا کرتے اور احسان کیا کرتے تھے۔ ان دنوں میں آپؐ کے صدقہ دینے کی مثال تیز آندھی کی طرح ہوتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ اسے عید سمجھتے تھے۔ جس طرح تہواروں کے موقع پر بادشاہ اور رؤساء لوگوں کو عطیے دیتے ہیں اسی طرح رسول کریم ﷺ رمضان میں مخلوق کو پہلے سے بھی زیادہ فیض پہنچاتے تھے کیونکہ آپ کی عید اسی میں تھی کہ خدا تعالیٰ کے لئے اور بنی نوع کے لئے قربانی کریں۔ ان ایام میں ہم پر بعض ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں یعنی پو پھٹنے سے لے کر تمام وہ عاقل بالغ جو بیمار نہ ہوں' بچے کمزور بوڑھے نہ ہوں یا پھر حائضہ حاملہ یا دودھ پلانے والی عورتیں جو گو بیمار نہ ہوں لیکن روزہ کی برداشت نہ کر سکتی ہوں۔ عام طور پر اکثر عورتوں کو حمل یا دودھ پلانے کی حالت میں غیر معمولی تکلیف کا امکان ہوتا ہے۔ یا پھر مسافر

کے سوا باقی سب کے لئے غروب آفتاب تک روزہ رکھنا فرض ہے۔ شریعت کے تمام مسائل میں سہولت ہوتی ہے مگر سہولت کی بھی حد ہوتی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے اس امر کو پسند فرمایا ہے کہ جتنی دیر سے سحری کھائی جائے اور جتنی جلدی افطار کیا جائے اچھا ہے [۴] لیکن اس کے یہ معنے بھی نہیں کہ دن کے روشن ہو جانے کے بعد کھا پی لیا جائے۔ پھر کئی اس امر پر بحثیں کرتے رہتے ہیں کہ روشنی کا ذرا شبہ ہو جانے پر بھی کھانا چھوڑ دینا چاہیئے۔ حالانکہ قرآن کریم نے یَتَبَیَّنَ لَکُمْ [۴] فرمایا ہے۔ جس طرح کسی کمزور نظر والے کا تبیّن کے بعد بھی نہ دیکھ سکنا اس امر کی دلیل نہیں کہ ابھی تبیّن نہیں ہوا۔ اسی طرح کسی وہمی یا تیز نظر والے کا شک بھی اسے ثابت نہیں کر سکتا۔ یَتَبَیَّنَ لَکُمْ کے معنی یہ ہیں کہ جب قومی لحاظ سے عام طور پر لوگ کہیں کہ تبیّن ہو چکا ہے اس وقت تک کھانا جائز ہے اذان کی اس میں کوئی شرط نہیں یہ صرف وہمیوں کے لئے ہے۔ مجھے اس دفعہ کے جلسہ سالانہ کی تقریروں میں سے ایک بزرگ صحابی کی تقریر میں یہ بات پڑھ کر سخت تعجب ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اذان کے بعد کھانا پینا ترک کر دیتے تھے حالانکہ قرآن حدیث فقہ اور عقل کے مطابق اذان کوئی دلیل نہیں اور تبیّن کی کوئی علامت نہیں۔ رسول کریم ﷺ اذان کو تبیّن کی علامت بنانے کی کوشش ضرور کرتے تھے۔ چونکہ لوگ عام طور پر اندر گھروں میں ہوتے ہیں۔ اس لئے رسول کریم ﷺ احتیاط کے طور پر کوشش فرماتے تھے کہ اذان ایسے وقت پر ہو جب تبیّن ہو جائے۔ لیکن اذان بجائے خود تبیّن کی کوئی دلیل نہیں۔ یہ ان صاحب کی غلط فہمی ہے جنہوں نے کہا کہ حضرت مسیح موعودؑ اذان پر کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے۔ اگرچہ میں اس وقت بچہ تھا لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک دفعہ کسی نے اذان قبل از وقت دے دی۔ تو آپ نے اس کے بعد خود بھی کھایا گھر میں سب کو کھلایا اور فرمایا کہ باہر بھی کہلوا دو کہ اذان پہلے ہو گئی ہے ابھی کھانے پینے کا وقت ہے اگر یہ صحیح ہو کہ حضرت مسیح موعودؑ اذان سن کر کھانا پینا چھوڑ دینا ضروری سمجھتے تھے تو اس سنت پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہو گا کہ اگر کوئی بے وقوف تین بجے ہی اذان دے دے تو سب لوگ کھانا پینا چھوڑ دیں مگر اس سے اذان کا تعلق نہیں۔ سحری ختم ہونے کا تعلق تبیّن سے ہے۔ اور چونکہ ہر ایک گھر میں بیٹھا ہوا تبیّن نہیں دیکھ سکتا اس لئے محلہ یا شہر یا گاؤں کے جو بزرگ ہوں۔ انہیں کوشش کرنی چاہیئے کہ اذان ایسے وقت ہو جب پوری طرح تبیّن ہو جائے۔ مجھے اس وقت پوری طرح تو یاد نہیں۔ خیال ہے کہ غالباً رمضان میں رسول کریم ﷺ کسی نابینا کو مؤذن مقرر فرمایا کرتے تھے [۵]۔ کیونکہ وہ مختلف

لوگوں سے پوچھنے کے بعد اذان دے سکتا تھا پھر یہ بھی حکم ہے کہ افطار میں جلدی کی جائے[۶]۔ اس میں بھی بعض لوگ سختی سے کام لیتے ہیں۔ سورج جب ہماری نظروں سے غائب ہوتا ہے اس سے آٹھ منٹ قبل ڈوب چکا ہوتا ہے کیونکہ اس کی روشنی ہم تک آٹھ منٹ میں پہنچتی ہے۔ مگر شریعت نے چونکہ ظاہر پر احکام کی بنیاد رکھی ہے اس لئے نظر سے غائب ہونے کے بعد افطاری کا حکم دیا اور اس حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ نظروں سے غائب ہونے سے آٹھ منٹ قبل وہ ڈوب چکا ہوتا ہے۔ غروب ہونے کے بعد مزید احتیاط کی ضرورت نہیں رہتی۔ رسول کریم ﷺ نے افطار میں دیر کرنا قومی تباہی کے آثار میں سے بیان فرمایا ہے[۷] اس لئے دیر نہ کرنی چاہئے۔ دیر کرنا وہم اور بیماری ہے نیکی نہیں۔ انسان اگر مسافر یا بیمار ہو تو روزہ نہ رکھے۔ آج تک اس امر پر بحثیں ہوتی رہی ہیں کہ سفر کسے کہتے ہیں۔ لوگوں نے سفر کا اندازہ لگانے میں غلطیاں کی ہیں۔ سفر خود ہی ظاہر ہوتا ہے۔ پھر بیماری کے بارہ میں غلطی لگ سکتی ہے۔ بعض دفعہ انسان زیادہ بیمار نظر آتا ہے مگر خدا تعالیٰ کا ایسا فضل ہوتا ہے۔ کہ موقع پر اسے توفیق مل جاتی ہے۔ گذشتہ رمضان سے پہلے مجھے اس قدر ضعف تھا کہ میں سمجھتا تھا شاید روزے نہ رکھ سکوں۔ لیکن جب روزے رکھنے شروع کئے تو کوئی تکلیف نہ ہوئی بلکہ بدن میں طاقت آگئی۔ لیکن اب کے کھانسی قریباً اچھی ہو چکی تھی اور اس خیال سے کہ اب نہیں ہوگی میں نے پہلا روزہ بھی رکھ لیا مگر اس سے کھانسی بہت بڑھ گئی ہے۔ اور بعض اوقات بہت زیادہ تکلیف ہو جاتی ہے۔ حالانکہ میرا خیال تھا کہ اس سال صحت ایسی ہے کہ میں روزے رکھ سکوں گا لیکن رکھنے سے سخت تکلیف ہوئی۔ اس طرح تندرستی کے خیال کے ماتحت بیمار کا روزہ رکھنا معذوری میں داخل ہے لیکن جو سمجھتا ہو کہ میں بیمار ہوں اور پھر روزہ رکھے وہ گناہ کرتا ہے اور خودکشی کا مرتکب ہوتا ہے اسی طرح مسافر کو بھی روزہ نہیں رکھنا چاہئے۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عصر کے وقت جب افطاری میں بہت تھوڑا وقت باقی تھا مسافروں کے روزے افطار کرا دیئے تھے۔ ہاں نفلی روزہ مسافر بھی رکھ سکتا ہے اور رمضان کا روزہ بھی اگر مسافر رکھے تو یہ اس کا نفلی روزہ سمجھا جائے گا مگر یہ حرکت پسندیدہ نہیں۔ خدا تعالیٰ نے جو رخصت دی ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے پھر اس مہینہ میں صدقہ و خیرات زیادہ کرنی چاہئے جو لوگ بوجہ معذوری روزہ نہ رکھ سکیں انہیں چاہئے کہ جو کھانا وہ گھر میں کھاتے ہوں ویسا ہی ایک آدمی کو کھلا دیں اور اگر استطاعت ہو تو خواہ خود روزہ رکھیں تو بھی محتاج کو کھانا کھلانا چاہئے۔ ان دنوں میں اپنے غریب بھائیوں کی امداد کا خاص خیال

رکھنا چاہئے- روزہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ بتاتا ہے کہ دیکھو تمہیں اس عارضی فاقہ کشی سے کتنی تکلیف ہوتی ہے اس لئے غور کرو ان لوگوں پر کیا گذرتی ہوگی جنہیں روز ہی فاقہ ہوتا ہے پس ان دنوں میں خصوصیت سے یہ بات یاد دلائی گئی ہے کہ غرباء کا خاص خیال رکھنا چاہئے- مگر اب کچھ ایسی رسم ہو گئی ہے کہ روزہ ایسے طور پر رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے جس سے قطعاً کسی قسم کی تکلیف نہ ہو- حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ السلام فرمایا کرتے تھے ہمارے ملک میں روزے خوید کا کام دیتے ہیں جس طرح گھوڑے کو خوید دی جاتی ہے جس سے وہ موٹا ہو جاتا ہے اسی طرح رمضان میں لوگ اتنا کھاتے ہیں کہ بجائے کوئی تکلیف محسوس کرنے کے اور موٹے ہو جاتے ہیں- گھی، دودھ اور مقوی اغذیہ خوب کھاتے ہیں- میرا یہ مطلب نہیں کہ عمدہ اور مقوی چیزیں نہ کھائی جائیں- صحت کے لئے جتنا ضروری ہو ضرور کھائیں لیکن یہ یاد رہے کہ روزہ روزہ کے لئے ہے- اگر کوئی شخص صبح و شام اتنا کھالے کہ نفخ ہو جائے اور صحت اور روحانیت کو فائدہ کی بجائے نقصان پہنچ جائے یا غریبوں کی امداد کر سکنے کی بجائے خود مقروض ہو جائے تو ایسا رمضان اس کے لئے کوئی اچھا رمضان نہیں ہو سکتا- یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی لولا لنگڑا بکرا قربان کردے- حالانکہ ایسا بکرا قربانی میں نہیں کیا جاتا-

پس ان دنوں خیرات زیادہ کرو، عبادات زیادہ کرو اور جو معذور نہ ہوں وہ روزے رکھیں- پھر قومی طور پر دیکھا جائے کہ رمضان سے احباب کماحقہٗ فائدہ اٹھا رہے ہیں یا نہیں- میں نے ایک رمضان میں ایک خطبہ میں کہہ دیا تھا کہ طالب علم چونکہ ابھی ایسی حالت میں ہوتے ہیں کہ ان کے جسم کی نشوونما کا زمانہ ہوتا ہے اور خصوصاً امتحان کے دنوں میں انہیں بہت دماغی محنت کرنا پڑتی ہے اس لئے وہ معذور ہیں- اس پر مجھے کئی رقعے اور خطوط آئے کہ آپ نے طلباء کے لئے روزے نہ رکھنے کا دروازہ کھول دیا ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے جس دین پر بغیر سوچے سمجھے اندھا دھند عمل کیا جائے وہ دین نہیں بلکہ محض ایک رسم ہے- قرآن میں صرف بیمار اور مسافر کے لئے روزہ نہ رکھنا جائز قرار دیا ہے- دودھ پلانے والی عورت اور حاملہ کے لئے کوئی ایسا حکم نہیں- مگر رسول کریم ﷺ نے انہیں بیمار کی حد میں رکھا ہے اسی طرح وہ بچے بھی بیمار کی حد میں ہیں جن کے اجسام ابھی نشوونما پا رہے ہیں خصوصاً وہ جو امتحان کی تیاری میں مصروف ہوں- ان دنوں ان کے دماغ پر اس قدر بوجھ ہوتا ہے کہ بعض پاگل ہو جاتے ہیں کئی ایک کی صحت خراب ہو جاتی ہے- پس اس کا کیا فائدہ ہے کہ ایک بار روزہ رکھ لیا اور پھر ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے-

حضرت خلیفۃ المسیح الاول فرمایا کرتے تھے ایک چھوٹی عمر کے بچہ کو روزہ رکھوایا گیا۔ جس سے وہ سخت تکلیف میں مبتلاء ہو گیا۔ مگر اسے مجبور کیا گیا کہ کچھ نہ کھائے پیئے۔ ادھر افطاری کے لئے بڑے زور و شور کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ دور نزدیک سے لوگ جمع ہو رہے تھے لیکن جب اذان ہوئی تو اس غریب نے جان دے دی۔ یہ کوئی دین یا ثواب کا کام نہیں بلکہ عذاب اور وبال ہے۔ دین وہی ہے جو عقل کے مطابق ہو۔ ہمارا کام ہے کہ نگرانی کریں اور صحیح راستہ لوگوں کو بتائیں۔ اگر ہمارے الفاظ سے کسی کو غلطی لگتی ہے اور ان سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے تو وہی زبان پھر بھی موجود ہے۔ دوسری بار اس غلطی کو دور کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ لوگ اپنی اپنی شریعت بنالیں اور ہم زبان بند رکھیں اس خیال سے کہ ہمارے الفاظ سے کسی کو غلط فہمی نہ ہو جائے۔

پس دین کو رسم نہ بناؤ۔ دین نے جو سختیاں اور سہولتیں اور جو درمیانی راستے بتائے ہیں انہیں کھول کھول کر بیان کرو اور جن کو ٹھوکر لگ جائے انہیں پھر سمجھاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور مامورین کا سلسلہ اسی لئے قائم کیا ہے کہ لوگوں کی غلطیوں کی اصلاح ہو۔ میں امید کرتا ہوں کہ احباب جماعت اس مہینہ کا وہی اعزاز کریں گے جس کا یہ مستحق ہے اور انہیں شرائط کے ساتھ کریں گے جو شریعت نے مقرر کی ہیں۔ دین کے بارہ میں نہ تو وہ نرمی اختیار کریں گے جو ایسے لوگوں نے اس میں داخل کر دی ہیں جو الحاد کے مرتکب ہو رہے ہیں اور نہ وہ سختیاں قبول کریں گے جن سے دین ایک رسم بن کر رہ گیا ہے بلکہ درمیانی راستہ اختیار کریں گے۔

(الفضل ۲۹۔ جنوری ۱۹۳۱ء)

---

۱ ابراھیم: ۲۵

۲ بخاری کتاب الزکوٰۃ باب اخذ صدقۃ التمر عند صرام القتل

۳ بخاری کتاب الصوم باب تعجیل الافطار

۴ البقرۃ: ۱۸۸

۵ بخاری کتاب الصوم باب لا یمنعکم من سحورکم اذان بلال

۶ بخاری کتاب الصوم باب تعجیل الافطار

۷ بخاری کتاب الصوم باب تعجیل الافطار